قرآنِ حکیم کے لفظی و معنوی حقوق

(۳)

تلاوت، فہم، عمل

(از جناب خواجہ سید محمد علی شاہ صاحب اسحاقی رحمانی، سہارنپوری)

اور قرآن سے قرآن کے مطلب کی وضاحت کا ادراک و علم نہ ہونے پر
سیرِ رسول | قرآن پاک جن پر نازل ہوا۔ انھوں نے جو مطلب و معنی قرآن پاک کے بیان کئے
قولاً و فعلاً، یا ان پر عمل کر کے دکھایا (حالاً و دلالۃً) اور قرآنِ پاک کی جو تفسیر و توضیح اقوال و اعمال
احوال کی صورتوں میں ان سے منقول و ثابت ہے اس کو لیا جاتے۔ اور قرآن کا مطلب احادیث
سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا جائے اور بیانِ رسول سے مراد الٰہی کو
سمجھا جائے۔ کیونکہ آپ کی شان

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ اور
وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ کا مصداق ہے۔
قرآن کی قرآنی تفسیر کے بعد تفسیرِ رسول ہر چیز پر مقدم ہوگی اور تمام امت کے لئے وہی تفسیر
وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ کے نص قرآنی کے مطابق

(الف) قابل حجت و لایق استدلال ہوگی۔
(ب) اس کا اتباع اور اس کے مطابق عمل واجب ہوگا۔
(ج) اس کے خلاف کہنا یا کرنا کسی صورت جائز نہ ہوگا۔

بشرطیکہ نقل صحیح ہو۔ اور سند صحیح کے ساتھ مستند ہو کر اس کا ثبوت بہم پہنچے۔ کیونکہ قرآن پاک جن پر نازل ہوا ان سے زیادہ اور کون قرآن پاک کے معنے و مطلب کو سمجھ سکتا اور سمجھا سکتا ہے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ۔ انھوں نے جس طرح آیاتِ قرآنی کے معنی کئے۔ اور اس کی تشریح و تفسیر کی اور نقل صحیح کے ساتھ وہ تفسیر ہم تک پہنچی اس کو قبول کیا جائیگا۔ اور اسی کا اتباع اور اسی پر عمل واجب ہوگا۔ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

تفسیر صحابہ و تابعین و تبع تابعین

تفسیر القرآن بالقرآن۔ اور تفسیر رسول کے بعد، تفسیر صحابہ سے قرآن مجید کے معانی و مطالب کو لیا جائے گا۔ قرآن سے قرآن کی تفسیر کا ادراک و علم نہ ہونے پر کلام صحابہ اور اقوال و آثار صحابہ کو ڈھونڈا جائے۔

صحابہ نزولِ قرآن کے عینی شاہد ہیں۔ وہ تنزیل قرآن کے وقت موجود تھے وہ نزولِ قرآن کے احوال و قرائن اور مشاہد و مواقع سے بخوبی واقف ہیں۔ آیاتِ قرآنی کے موارد و مصادیق ہیں۔ ان کا فہم تام، ذوق کامل، علم صحیح۔ اور عمل صالح تھا جس کی گواہی خود قرآن مجید دے رہا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم و انوار نبوت کو بے واسطہ حاصل کرنے والے ہیں۔

انھوں نے قرآن عزیز کی جو تفسیر سمجھی وہ قبول کی جائے گی۔ کیونکہ نزولِ قرآن کی چشمدید گواہی اور علوم و اعمال نبوت کی وراثت و نیابت اور منصبِ تبلیغ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا انپر خاص فضل تھا۔ اسی وجہ سے ان کی قوتِ مدرکہ کے ساتھ نصرت و تائید ربانی شامل تھی۔ ان کا حال حال تھا، قال نہ تھا۔

اور اگر ان تینوں مقامات و موارد میں طلب کرنے کے بعد بھی قرآن پاک کے معنی و مفہوم

کا علم وادراک نہیں ہوتا۔ اور آیاتِ قرآنی کا مطلب حل نہیں ہوتا۔ تو اس کے بعد صحابہ کے شاگردوں سے یعنی حضرات تابعین کے اقوال سے تفسیر طلب کی جائے۔ اور انھوں نے قرآن پاک کو جس طرح جانا۔ سمجھا۔ بیان کیا اور عمل کیا اس کے مطابق تفسیر کی جائے گی۔

رسول۔ صحابہ۔ تابعین واتباع تابعین۔ یہ تین چشمے اور منابع ہیں جن سے قرآن پاک کے مفاہیم ومعانی، ہدایات واحکام اور کتابِ الٰہی کے اسرار وحکم کی سوتیں جاری ہیں۔ ان کا قول حجت، اور عمل لائقِ استدلال ہے۔

بہر حال قرآن کی تفسیر کا ارادہ کرنے اور اس کے معنی ومفہوم سمجھنے کے وقت ان اصول کا پابند ہونا اور ان کے مطابق تفسیر کرنا ضروری ہے۔ ورنہ قرآنِ پاک کی تفسیر اور معنی ومفہوم کی تعین میں غلطی کا احتمال یقینی ہے۔

اور درحقیقت وہ تفسیر جو بیانِ رسالت اور تفسیر صحابہ واکابر سلف یعنی سُنن واحادیث وآثارِ سلف صالحین کے مسلک کے خلاف ہو قرآن کی تفسیر ہی نہیں بلکہ معنوی تحریف ہے۔

قرآن حکیم کی وہی تفسیر معتبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور مابعد کے علمائے راسخین سے منقول ہے، تواتر وتوارث کے طریقہ پر دین کے عقائد واعمال اس سے ثابت ہیں۔ اور ہر دور کے لئے تہذیبِ اخلاق۔ تدبیرِ منزل۔ سیاستِ مُدن کے بنیادی اصول، معاش ومعاد۔ موت وحیات اور دنیا وآخرت کا اساسی قانون اس سے تکمیل پاتا ہے البتہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جس طرح سمجھا گیا آج ہمیں بھی اس کو اسی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ عرب ہوں یا عجم سب کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کے فہم وتدبر اور اس کی تفسیر وتاویل ان ہی سرچشموں سے حاصل کریں جو اس کے اصل موارد ومواقع ہیں۔ قرآن مجید کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا معجزہ قرار دیا گیا ہے اور نبی علیہ السلام نے جیسا کہ خود قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ

مِّن دُونِ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ

عرب کے اور اُن کے واسطہ سے قیامت تک تمام دنیا کے فصحاء بلغاء اور ادباء و شعر
کو اس کلام کے مثل لانے پر جا بجا اس پوری کتاب کی یا اس کی دس سورتوں کی یا ایک چھوٹی
کے مقابلہ و معارضہ میں تحدی کی اور چیلنج دیا ہے۔

قرآن پاک کی آیات و کلمات کا تحدی کے باوجود زمانۂ نزول قرآن سے نقل متواتر
سالہا آج تک منقول ہونا اور جن لوگوں کے سامنے قرآن حکیم نازل ہوا ان کا اس کے اعجاز
تاثیر سے غیر معمولی طور پر متاثر ہونا، دل و زبان سے اس کا اقرار کرنا، اس کی تحدی اور مقابلہ
عاجز ہونا اور تمام عرب اور کفار و مشرکین کا اس کے معانی و مطالب کو سمجھ لینا تاریخی بداہ
کا ایسا روشن ترین واقعہ ہے جس کا کوئی اہل علم و عقل موافق و مخالف انکار نہیں کر سکتا۔

اور آج بھی تمام دنیا میں کوئی ایک فرد واحد بھی اس کے اعجاز و تاثیر اور روحانیت ذاتیہ
کا مقابلہ نہیں کر سکتا قرآن پاک کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت
کا یہ اعجاز علمی و عقلی تمام منکرین و معاندین ہی پر نہیں بلکہ تمام انسانوں کی درماندگی و عجز پر دائمی
دلیل اور قوی برہان ہے۔

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۔

قرآن مجید اور تفسیر بالرائے | ماقبل میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ قرآن پاک ایک قطعی اور یقینی چیز ہے اور اس کے معا
و مطالب بھی بیّن اور روشن ہیں اور یہ اپنے دعویٰ و مدعا اور برہان و دلیل میں
محکم و مستحکم ہے۔ نیز یہ کہ آپ اپنے مقصود و مدعا کے لئے کافی و وافی ہے اور اس کا مطلب بغیر
روایات و اخبار اور احادیث و آثار کے ملاتے خود اس سے ہی سمجھ میں آنا اور آسکتا ہے۔ جوا

مفہوم کے اظہار میں کسی خارجی ضمیمہ اور بیرونی مدد کا محتاج نہیں اور اس کا مقصود و مدعا اور مفہوم و مطلب، ترجمہ و معانی اپنی ذات میں کامل اور مکمل و مفید ہیں، ناقص و نا تمام نامکمل و غیر مفید یا کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں۔

اب اگر کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کا مطلب بغیر علم کے یا اپنی رائے سے اس طرح بیان کرے جو

(الف) عربی زبان کے خلاف ہو۔

(ب) یا ان ضروریاتِ دین۔ اور یقینی و بدیہی امور کے خلاف ہو جو صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم، سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔

تو وہ تفسیر بالرائے کہلائے گا۔ اور وہ تفسیر صحیح و معتبر نہ ہوگی۔ بلکہ قرآن پاک کی معنوی تحریف ہوگی۔

احادیث رسول اور تفسیر بالرائی

تفسیر بالرای کے بارے میں چار حدیثیں ہمیں ملتی ہیں۔ جن میں سے دو حدیثوں کو موضوعات میں شمار کیا گیا ہے[1] ان میں پہلی حدیث یہ ہے۔

مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ كُتِبَتْ عَلَيْهِ خَطِيئَتُهُ لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ الْعِبَادِ لَوَسِعَتْهُمْ وَإِنْ أَخْطَأَ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

اس حدیث میں ابو عصمہ راوی وضع وکذب اور اختلاق کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے حاصل مطلب حدیث کا یہ ہے کہ محض اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے والا اگر اتفاق سے صحیح مطلب بیان کر رہا ہے تب بھی وہ اتنی بڑی خطا کا مرتکب ہے جو تمام دنیا کے خطا کاروں کے گناہ کے برابر ہے اور اگر مفسر سرے سے تفسیر ہی میں غلط بیانی ہو رہی ہے تو وہ مستحق جہنم ہے سنداور متن دونوں کے لحاظ سے یہ حدیث درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ وَهُوَ عَلَى وُضُوءٍ فَلْيُعِدْ وُضُوءَهُ

---

[1] تذکرۃ الموضوعات للعلامۃ الطاہر مطبوعہ مصر ص۸۲

اس حدیث میں عثمان راوی وضع وکذب کے ساتھ موصوف ہے، اس کا حاصل یہ ہے جو شخص باوضو ہوتے ہوئے محض اپنی رائے سے تفسیر کرتا ہے اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس کو وضوء کا اعادہ کرنا چاہئیے اس حدیث کے متن اور معنی کی رکاکت بھی ظاہر ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا دونوں حدیثیں بحث سے خارج ہیں اور ان پہ کوئی کلام کرنا بیکار ہے چونکہ سند ومتن دونوں کے اعتبار سے یہ موضوعات میں شمار ہوتی ہیں۔

اب دو حدیثیں تفسیر بالرائی کی ممانعت میں باقی رہتی ہیں اور یہی اس بارے میں زیادہ مشہور ہیں ایک حضرت ابن عباسؓ کی۔ دوسری حضرت جندبؓ کی۔

یہ دونوں حدیثیں صحیح اور مرفوع ہیں اور تفسیر بالرای کے بارے میں نص قطعی کا حکم رکھتی ہیں حضرت ابن عباس کی روایت دو طرح پہ ہے۔ ایک روایت میں (برأیہ) کا لفظ ہے اور دوسری میں (بغیر علم) کا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں اور اسی طرح حضرت جندبؓ کی روایت میں برأیہ کا لفظ آیا ہے رائے سے نفس عقل وفہم مراد نہیں کیونکہ اس صفت سے کوئی انسان بھی خواہ عالم ہو یا عامی خالی اور عاری نہیں۔ یہ عقل وفہم ہی ہے جو انسان اور باقی حیوانات ومخلوقات کے درمیان مابہ الامتیاز ہے نیز انسان کے لئے تمام امور تکلیفیہ اور اوامر ونواہی کا مدار اسی پر ہے قرآن پاک اسی عقل وفہم کی رو سے انسان سے خطاب کرتا اور پھر ان عقول وافہام کے مراتب ومدارج کے لحاظ سے ان سے کلام کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجنون وسفیہ اور طفل لایعقل قرآن پاک کے مخاطب ومکلف نہیں ہیں،

اور یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ کسی فعل کے حسن وقبح اور کسی شے کی خوبی وزشتی کا ادراک عقل ہی سے ہوتا ہے جس کا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا اچھے کام اور اس کے کرنے والے کی مدح وتعریف اور برے کام اور اس کے کرنے والے کی مذمت وتنقیص اہل عقل کا شیوہ ہے البتہ فعل حسن پہ شارع کے مقرر کردہ ثواب، اور فعل قبیح پہ شارع کے بیان کردہ

عقاب، تعزیرات وعدد داد کسی فعل پر جزاء و سزا کے ہونے کا عقلی طور پر ادراک بعض صورتوں میں ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں انسانی عقل کی رسائی شارع کی اس نافع مصلحت اور غامض حکمت کی گہرائیوں تک نہیں ہوتی جو شارع کی نگاہ میں ہر ایک ان امور میں مخفی رکھی گئی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی پہلی روایت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[۱]

شاہ عبدالحق صاحب نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے جو شخص قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے، اپنی عقل اور اپنے قیاس سے بغیر نقل سند کے کچھ کہے تو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں پکڑنا چاہئے[۲]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کے بارے میں صرف اپنی رائے کو دخل دینا اور صرف اپنی عقل و خیال سے ظن و تخمین کا تیر چلانا سخت منع ہے۔ جب تک نقل صحیح سے اس کا استناد نہ ہو۔ اور جو اس امر کا ارتکاب کرے وہ بتصریح حدیث مستحق وعید ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ الخ کا لفظ ہے[۳] اور مطلب اس کا یہ ہے کہ قرآن پاک میں زبان عرب - اصول عربیت اور ضروریات دین کی کامل معلومات کے بغیر کچھ کہنا اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے اور بغیر علم کے کلام الٰہی کے بارے میں کچھ کہنا اس دنیا ہی میں جہنم کی وعید کا مستحق بنا دینا ہے اور جس امر پر شارعؑ کی جانب سے وعید ہو وہ کبیرہ گناہ، حرام بلکہ قریب بکفر ہے۔

دوسری روایت تفسیر بالرائے کی ممانعت میں حضرت جندبؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ - کہ جو کوئی قرآن میں اپنی طرف سے کوئی رائے، کوئی بات، کوئی خیال، اور کوئی مطلب بیان کرے اور وہ اتفاق سے درست بھی نکل آئے تب بھی اس نے خطا کی،

---

[۱] مشکوٰۃ ص۳۵ و جمع الفوائد ج ۲ ص۲۶ [۲] اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۱۶۵ [۳] مشکوٰۃ ص۳۵ و جمع الفوائد

شاہ عبدالحق صاحب اس کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ فی الواقع اس کی رائے درست اور صواب نکلی مگر اس پر غلطی کے ارتکاب کا حکم لگایا جائے گا اور اس کو خطادار کہیں گے کیونکہ اُس نے قرآن کے قصدِ فہم اور طریقِ فہم میں غلطی کی ہے، اپنی رائے کو دخل دیا ہے اور جو اس کے سمجھنے کا طریقہ و اسلوب تھا اس کو اختیار نہیں کیا۔

پھر آگے چل کر اسی ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن پاک کے فہم کے لئے دو طریقے ہیں ایک تفسیر، دوسرے تاویل۔

تفسیر یہ ہے کہ آیت کے معنی کے متعلق جزم و یقین اور زور کے ساتھ کہہ دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اس آیت سے یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ اس یقین کے ساتھ مرادِ الٰہی کو کسی آیت کے متعلق متعین کر دینا اس وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ اُسے سندِ صحیح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ائمہ تفسیر نے نقل کیا ہو، یہ تفسیر بیانِ رسالت سے نقل و سمع اور اس کی صحت و استناد پر موقوف ہے۔

اور تاویل یہ ہے کہ آیت کے متعلق بطور احتمال اور بطریق امکان کہا جائے کہ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے لیکن اس کے صحیح ہونے کے لئے بھی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ قواعدِ عربیہ کے موافق ہو دوسرے یہ کہ قوانینِ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

غرضکہ قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر میں اسی طرح شرائع اور اصولِ دینیہ میں کوئی اختلاف تضاد اور تناقض ممکن نہیں۔ البتہ کلام اللہ کی تاویل میں اختلافِ رائے ہو سکتا ہے اور اس کے لئے تصحیحِ رائے اور ترجیحِ قول کی صورت ضروری ہے۔ بغیر اس کے وہ اختلاف مقبول و مسموع نہیں، تاویل چونکہ ایک احتمالی امر ہے اور چند معانی میں دائر و مشکوک رہتی ہے۔ اس لئے تاویل کے ذریعہ کسی امرِ منصوص و مصرح یا امرِ توقیفی پر قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اس تاویل کو امرِ منصوص کی طرف رد کیا جائے گا۔ اور اسے نص و توقیف کی موافقت پر محمول کریں گے۔ لیکن نص کو تاویل کے ساتھ رد کرنا جائز نہ ہوگا۔ تاویل خود اپنی صحت کے

نبوت میں نص اور دلالت قطعی کی محتاج ہے اور اس سے احتجاج و استدلال ساقط ہے[1]

حضرت ابن عباسؓ کی پہلی روایت کا جس میں "برأیہ" کا لفظ منقول ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں جو مطلب لکھا ہے ہم اس کو اپنی عبارت میں لکھتے ہیں۔ علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

قرآن میں اپنی رائے سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن کے معنی میں یا اس کی قرأت میں (کیونکہ قرأت عشرہ متواترہ بھی تفسیر القرآن بالقرآن ہے (مترجم) اپنی طرف سے گفتگو کرے اور اس کا یہ کلام علمائے لغت و عربیت کے اقوال کے جو قوانین شرعیہ کے موافق ہوں تتبع و تفحص کے بغیر ہو بلکہ اپنی عقل سے تفسیر کرے۔ حالانکہ

(۱) وہ معانی و مطالب ایسے ہوں کہ ان کا نقل پر موقوف ہونا ظاہر ہے جیسے اسباب نزول آیات، ناسخ و منسوخ آیات وغیرہ جو امور قرآنی نقل و سمع پر مبنی ہیں۔

(۲) یا وہ معانی و مطالب ایسے ہوں جو قصص و احوال سے متعلق ہوں۔

(۳) یا اوامر و نواہی اور احکام سے متعلق ہوں۔

(۴) یا ظاہر نقل کے ساتھ تفسیر کر دی حالانکہ وہ بات ایسی ہے جس کا توقف عقل پر ہے جیسے متشابہ آیات کی تفسیر فرقہ مجسمہ نے کی ہے کہ ان کے ظاہری الفاظ کو لے لیا اور یہ نہ خیال کیا کہ ظاہری الفاظ کے معانی محال ہیں۔ صرف ظاہری نقل کے تقاضے پر عقلی توقف کو پس پشت ڈال دیا۔

(۵) یا ایسی تفسیر کی جو بعض علوم الٰہیہ کے تو موافق ہے مگر خود باقی علوم کو یا علوم شرعیہ کو کما حقہ نہیں جانتا۔ حالانکہ وہ علوم ایسے ہیں کہ ان میں علوم شرعیہ کی ضرورت و حاجت ہو۔ یہ تمام صورتیں تفسیر بالرای کی ہیں۔

ان دونوں صحابہ کی روایات سے اور ملا علی قاری اور شاہ عبدالحق صاحب کے بیانات سے جو امور معلوم ہوتے ہم اس کو ایک عام فہم عبارت میں تفصیل و وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں

[1] احکام القرآن ج ۲ ص ۱۲۳

ماحصل سب کا یہ ہے کہ اگر قواعدِ عربیت کے لحاظ سے آیتِ قرآنی کے کئی معنے ہو سکتے ہیں تو ان متعدد معانی کو دیکھا جائیگا کہ باہمد گر مخالف و معارض تو نہیں۔ اگر نہیں تو معانی مراد لیئے جا سکتے ہیں۔ اور اپنے اپنے موقع اور مورد و محل پر ان کا استعمال و انطباق کیا جائے گا۔

اور اگر ان متعدد معانی میں باہمد گر تضاد و تناقض ہے تو ان سب معانی میں ایک کو دوسرے معنی پر ترجیح دینے کے لئے روایات و احادیث، اخبار و آثار اور سُنن کی طرف رجوع کریں گے پس اگر ایک معنی کی تائید و تصدیق روایاتِ صحیحہ اور سنتِ رسول سے ہو جاتی ہے تو اس معنے کو ترجیح دی جائے گی اور باقی کو ترک کر دینا پڑے گا۔

لیکن اخبارات و روایات کے متعلق یہ بات ضرور ملحوظ رہے گی کہ ان کا درجہ باوجود ہونے کے ظنی ہے اور قرآن مجید قطعی ہے۔ اور ظنی چیز کو قطعی چیز کے ساتھ ملا کر نتیجہ نکالنا اگر از روئے اصول ظنی ہوگا مگر چونکہ روایت و حدیث کو اس آیت کے ساتھ ملانے سے اس کے معنی و مطلب

(الف) زبان عرب کے قواعد کے خلاف نہیں۔

(ب) ضروریاتِ دین اور اصولِ شریعت کے خلاف نہیں۔

(ج) بداہت و عقل کے خلاف نہیں۔

اس لئے ان معانی کو ترجیح دینا ضروری ہوگا۔

اور اگر آیت کے معنی اور اس کا مطلب و مفہوم تو سمجھ میں آگیا ہے لیکن اس کے مدلول کی تعیین یا اس کے مصداق و مورد کی تشخیص آیتِ قرآنی سے نہیں ہو سکی۔ بلکہ کسی ذریعہ اور بیرونی واقعہ (تاریخ و قصص و آثار وغیرہ) پر موقوف ہے۔

تو اب اس واقعہ کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ واقعہ اپنے ثبوت میں قرآن کے ثبوت اور سے کم نہیں تو بلا نکیر اس کو قبول کریں گے اور قرآن ہی کی طرح وہ بھی قطعی ہوگا۔ اور اگر اس

کا ثبوت قرآن کی قطعیت سے کم ہے تو اس کو ملا کر جس مراد کی تعیین یا جس مصداق کی تشخیص کی جائے گی وہ ظنی ہوگا۔

غرضکہ مشکوٰۃ و جمع الفوائد کی متعلق احادیث سے جو ترمذی و ابوداؤد سے نقل کی گئی ہیں اور اشعۃ اللمعات و مرقاۃ سے جو ان کے مطلب کی توضیح کی گئی ہے تفسیر بالرای کے متعلق حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) ایک یہ کہ تفسیر بالرای اسے کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت کا مطلب نقلِ صحیح کے بغیر اپنی رائے اور قیاس سے کیا جائے اور بغیر علم و معلومات اس بارے میں کچھ کہا جائے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی اور یاد رکھنی ضرور ہے کہ علم سے مراد۔

(الف) زبانِ عرب اور عربیت (قواعد ب دبلاغت وغیرہ کا علم۔ اور۔

(ب) اصولِ شریعت و ضروریاتِ دین کا علم ہے۔

اس لئے ایسا شخص جو زبانِ عرب سے ناواقف اور علمِ اصولِ شریعت سے بے بہرہ ہو اگر قرآن کی کسی آیت کا مطلب بیان کرنے لگے۔ اور ظاہر ہے کہ اس عدمِ واقفیت کی وجہ سے وہ جو کچھ کہے گا اپنی رائے اور عقل سے کہے گا۔ اور وہ مطلب اتفاق سے صحیح بھی نکل آئے اور فی الواقع درست اور حقیقت میں صحیح و صواب ہو۔ یہ تفسیر بالرائی ہوگی۔

تفسیر بالرائی اور تفسیر بدون الرائی | اس لئے ایسے شخص کو جو ان دونوں علوم (زبانِ عرب اور اصولِ شرع) سے کامل واقفیت نہ رکھے یا جو بالکل جاہل اور ناآشنائے محض ہو قرآن پاک کی آیات کے معانی و مطالب بیان کرنے کے لئے لب کشائی کرنا کسی صورت درست نہیں۔

اور جو ایسا کرتا ہے وہ بجائے تفسیر قرآنی کے قرآن پاک میں معنوی تحریف کا مرتکب ہوتا ہے اور احادیث کے مطابق جہنم کی وعید کا مستحق۔

پس قرآن کی آیات کا مطلب اپنی عقل اور اپنے قیاس سے بدون مراجعت کتاب و سنت اور بدون تتبع آیات و روایات بیان کرنا اور زبان عرب کے قواعد اور شریعت کے

اصول و قوانین کا لحاظ نہ کرنا تفسیر بالرای ہے

اور قرآنی آیات کا مطلب قواعدِ عربیت اور اصولِ شریعت کے مطابق (معتبر ظنی روایات واخبار کے ملاتے) بیان کرنا صحیح تفسیر ہے اور یہی تفسیر بدون الرائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی تفسیر اور اس کے معانی و مطالب معلوم کرنے کا صحیح، اصلی اور اصولی طریقہ یہ ہے کہ

(۱) اصولِ عرب اور زبانِ عرب کی پابندی کی جائے۔

(۲) اور اصولِ شریعت (کتاب و سنت) کے مطابق قرآنی آیات کا مطلب اور اس کے نظم و عبارت کا مفہوم بیان کیا جائے۔ اور اگر

(الف) اس مطلب کی تائید و موافقت میں صحیح روایات مل جائیں تو ان کو لے لیا جائے مگر ان کا درجہ قرآن سے کم ہوگا۔ کیونکہ قرآن قطعی ہے اور احادیث ظنی۔

(ب) اور اگر صحیح روایات نہ ملیں۔ بلکہ ضعیف روایات ملتی ہیں تو قرآن پاک کی موافقت اور تائید و تصدیق کی وجہ سے ان کو بھی قبول کیا جائے۔ اگرچہ وہ ضعف کے کسی درجہ میں بھی ہوں لیکن موضوع و مختلق نہ ہوں

(ج) اور قرآن پاک کے معانی و مطالب کی صریح مخالف روایات قابلِ ترک ہونگی چونکہ قرآن پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احوال و اعمال کی تصدیق و تائید کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا جو کلام حدیث تم تک پہنچے اس کو کتاب اللہ پر پیش کرکے دیکھو، اگر کتاب اللہ کے موافق نکلے اس کو قبول کرو اور اگر موافق نہ ہو تو اس کو قبول نہ کرو۔[1]

تفسیر بدون الرای جو حق اور صحیح تفسیر ہے اور تفسیر بالرائی جو غلط اور باطل تفسیر ہے ان دونوں کا فرق معلوم کرنا اور پھر تفسیر بالرای میں یہ معلوم کرنا کہ تفسیر کیا ہے اور درای، کیا ہے اور

۱؎ تفسیر احمدی ص۳

کتنی ہے۔ ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ جس کی معرفت فطرتِ سلیمہ کے ذوقِ صحیح پر موقوف ہے[1] اور باوجود ذوقِ سلیم، عقلِ صحیح، نورِ فراست ایمان وعمل صالح کے مرادِ الٰہی کو بالیقین ہر کس وناکس کا کام نہیں۔ لغزش اور غلطی سے کوئی انسان وہ کیسا ہی ماہر وباکمال اور حاذق و محقق ہوا پنے آپ کو مبرا نہیں کر سکتا۔

البتہ سلف صالحین کی روش پر اور سابقین امت کے نقشِ قدم پر چل کر ہر زمانہ کی ضروریات ومصالح کے لئے قرآنی آیات کے ابواب کشادہ ہیں اور ہمیشہ مفتوح رہیں گے کیونکہ یہ انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اور متعین وغیر مبدل اساسی قانون و دستور۔

سُنّنِ نبوی اور آثار صحابہ وتابعین اور مابعد کے علمائے راسخین کے فہم وعمل پر اعتماد ویقین قرآن پاک کے علم وعمل اور تاویلی نکات وتفسیری حقائق کی وضاحت کے لئے کافی وافی ہیں۔ ان ہی اصول کے مطابق عصری ضروریات اور اہل زمانہ کے مصالح کے لئے قرآن پاک کی تشریح وتفسیر اور افہام وتفہیم لازم ہے۔ اور ان سے انحراف قرآن وسنت میں تحریف اور تعاملِ سلف کا ابطال ہے۔

قرآن کریم کے سب سے پہلے شارحین ومفسرین حضرات صحابہ کرام ہیں انھوں نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مطلب ومعنی حاصل کئے کلامِ الٰہی کی مراد معلوم کی اور اس پر عمل ہوتے ہوتے دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے حکم وارشاد سے عمل کر کے دکھلایا۔ اسی طرح بعد والوں کو تبلیغ وتعلیم اور ابلاغ وتلقین کی صحابۂ کرام جو قرآنِ عظیم کی تفسیری خدمات انجام دیتے تھے قریبًا سب کے سب پہلی صدی ہجری کے حدود میں وفات پا گئے تھے۔

ان کے بعد تابعین کرام میں قلیل تعداد ان شارحین ومفسرین کی ہے جنہوں نے پہلی صدی ہجری میں انتقال کیا اور کثیر تعداد ان تابعین ائمہ تفسیر کی ہے جنکی وفات ہجرت نبویہ کے

---

[1] العرف الشذی تقریرات ترمذی حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ

دوسرے دور سے میں ہوئی۔ پھر تبع تابعین میں جو علمائے مفسرین شمار ہوتے ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے اواخر تک جوارِ رحمتِ رب سے ہمکنار ہوئے۔

تیسری صدی ہجری کے بعد سے کتب تفاسیر اور اقوالِ مفسرین کی کتابت و تدوین کا دور شروع ہوتا ہے۔ آج چودھویں صدی کے نصف سے زیادہ گذرنے تک قرآن حکیم کی سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں تفسیریں لکھی گئی ہیں اور ہر صاحبِ ذوق عالم نے اپنی زبان اپنے فضل و کمال اپنے زمانہ کے رنگ، ماحول و مذاق، رجحان طبیعت اور عصری ضروریات کے مطابق قرآن پاک سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

لیکن یہ حقیقت آج بھی اسی طرح حقیقت ہے اور ہمیشہ اسی طرح حقیقت رہے گی کہ قرآن کا صحیح معنے میں فہم و عمل، بغیر اس متوارث نمونۂ عمل کے سمجھے اور معلوم کئے ناممکن اور محال ہے جو متواتر اور مستند طور پر اسوۂ حسنۂ نبویہ، صحابہ و اہل بیت، تابعین و تبع تابعین، ائمہ مجتہدین و علمائے صالحین سے منقول و ثابت اور جمہورِ امت کا معمول بنا رہا ہے۔

خلافت عبّاسیہ

جلد اول۔

تاریخ ملّت کا پانچواں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء سفّاح، منصور، مہدی، ہادی، ہارون امین، مامون، معتصم اور واثق باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں، خلافتِ عباسیہ کا یہی دور حقیقت میں دورِ عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا رعب تمام ہمسایہ سلطنتوں پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصے میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی مذہبی تمدنی اور اصلاحی کارناموں پر دلپذیر تبصرہ بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحات ۴۴۳ قیمت غیر مجلد ۱۲ مجلد للعہ